اسلام کا منصوبہ

ہماری تعلیم کے مُضر عناصر

قومی نقطۂ نظر سے

تحریر، ڈاکٹر سید عبداللہ

ہماری تعلیم کی مرکزی خرابی یہ ہے کہ یہ قومی نہیں۔ قوم یا نیشن انسانوں کی اس جماعت کو جس میں روحانی اور نفسیاتی بنیادوں پر ایک طرح سوچنے کی متعدد صورتیں موجود ہوں کہا جاتا ہے بربنائے مذہب بربنائے نسل، بربنائے جغرافیہ، بربنائے زبان۔ یہ سب صورتیں مشترک طور پر یا انفراداً قوم کو قوم بنا سکتی ہیں۔ لیکن قومیت کا مرکز وہ نفسیاتی و روحانی احساس ہوتا ہے جس کے ساتھ قوم کو شدید جذباتی وابستگی ہوتی ہے۔

پاکستان میں ہماری قومیت کی تعمیر میں مرکزی طور پر مذہب کی وحدت نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اسی وحدت نے ہمیں ایک قوم ہونے کا شعور بخشا اور ایک قطعۂ ارضی اس کی خاطر طلب ہو کر حاصل ہوا۔ بس یہی وحدت ہماری قومیت کی اساس ہے۔ باقی وحدتیں یا تو ادھوری تھیں یا بعد میں نظرانداز ہو گئیں۔ یہ مرکزی اسلامی وحدت اتنی توانا تھی کہ باقی وحدتیں فراموش کر دی گئیں، بعض لوگ نسل کی قومیت پر بہت زور دیتے ہیں —— اور آج کل پاکستان میں بھی غیر ملکی نظریات کی وجہ سے یہ احساس بڑھ رہا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ نسلی احساس بھی ایک بڑا اثر عنصر ہے مگر دنیا میں متعدد ممالک ایسے ہیں جن میں ایک سے زیادہ نسلیں آباد ہیں مگر انہوں نے کسی اور قوی تر احساس کے تحت نسلی احساس کو ثانوی حیثیت دے رکھی ہے۔ کینیڈا، بلجیم اور خود امریکہ میں نسلی اقلیتیں موجود ہیں۔ مگر قومیت موجود ہے کیونکہ ان کے پاس وطن کا قوی تر تخیل بھی ہے۔ اسلام کا نصب العین یہ تھا کہ نسلی اور قبائلی احساس کو برتر اور آفاقی عقیدوں کے تابع رکھے اور ہر چند کہ اسلام کو ان احساسات سے سخت مقابلہ کرنا پڑا تاہم اسلام کا مجموعی زاویۂ نظر مذہب کے آفاقی عقیدوں کی حمایت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے، نیز برصغیر ہند کے مخصوص تاریخی حالات کی وجہ سے، پاکستان کا فرمانروا عقیدہ مذہبی وحدت ہی ہے۔ مذہب کی وحدت کے علاوہ تحریک کے دوران میں زبان کی وحدت کا بھی بار بار [illegible] آیا جس کی تائید میں

شواہد کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ امر مسلم اور تاریخی حقیقت ہے۔

آج کل ہمیں کچھ لوگ یہ باور کرا رہے ہیں کہ ہماری کوئی قومی زبان نہیں ——— ہمارے یہاں جتنی بولیاں ہیں وہ سب قومی زبانیں ہیں مگر یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں سب بولیاں ہمارے ملک کی زبانیں تو ہیں مگر سب کو قومی نہیں کہا جا سکتا ——— قومی زبان صرف وہ ہوگی جسے ملک کے طول و عرض میں زیادہ سے زیادہ سمجھتے ہوں تاکہ اس کے توسط سے ارتباطِ قومی اور ملکی انتظام کی راہیں ہموار ہوں۔

اگر سب ملکی بولیوں کو قومی قرار دے دیا جائے تو اس ملک میں بہت سی قوموں کا تصور ابھرتا ہے۔ اور یہ پاکستان کی قومی وحدت پر ضرب کاری ہے　　بعض احباب یہ نسخہ تجویز کرتے ہیں کہ پہلے تمام بولیوں کو الگ الگ مضبوط بناتے جاؤ، پھر جب یہ اپنے اپنے علاقے کی علیحدہ علیحدہ شخصیت کی ترجمان بن جائیں تو ابراہیم علیہ السلام کے پرندے کی طرح سب کو ملا کر اکٹھا بٹھا دو ——— مگر حضرات! ایسے معجزے پیغمبر ہی دکھا سکتے ہیں، ہم عامی تو اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ علیحدہ لسانی شخصیت مسلّم ہو جانے کے بعد علیحدہ سیاسی شخصیت لازمی ہو جاتی ہے ——— اور یہ پاکستان کا خاتمہ ہے۔ پاکستان کے مخصوص حالات ایسے ہیں کہ ان میں ملک گیر سطح پر ایک قومی زبان کا ہونا قومی وحدت کی بقا کا ایک مؤثر وسیلہ ثابت ہوگا تاہم موجودہ مجبوریوں میں جن میں جغرافیہ بھی حائل ہے، دو قومی زبانیں بھی ٹھیک ہیں مگر ان سے آگے زیادہ قومی زبانیں ہوں گی تو ارتباط کے راستے محال نہ سہی دشوار ضرور ہو جائیں گے۔ دنیا کے بعض ممالک میں ایک سے زیادہ زبانیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ زبانیں جس ملک میں ہیں وہ ——— ہے یہاں ——— ہیں اور یہ حد ہے اس سے آگے انتظام تعلیم اور عام زندگی کثرت کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی لیکن یہ واضح ہو کہ میں یہ ساری باتیں قومی زبان کے تعلق میں کہہ رہا ہوں۔ علاقائی زبانوں کے علاقائی حق کے خلاف نہیں کہہ رہا ہوں۔

بہر حال آج پاکستان میں نسلی عنصر کو جو اہمیت مل رہی ہے یا لسانی وحدت سے انکار کے جو نعرے لگ رہے ہیں۔ پاکستانی قومیت کے ابتدائی اور مرکزی محرکات سے بے وفائی کے سوا کچھ نہیں۔

ان حالات میں اہم سوال یہ ہے کہ پاکستان میں تعلیم اگر قومیت کے استحکام کے لیے کچھ کام کرے تو کس نہج پر کرے؟ ——— ظاہر ہے کہ اسے انہی مرکزی عناصر کو مستحکم کرنا ہوگا جس سے یہ قومیت وجود میں آئی ——— ورنہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں ایک قوم کی جگہ بہت سی مستقل اقوام وجود میں آجائیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ایسی قوم بھی باقی رہے جسے ہم صرف پاکستانی کہہ سکیں۔

اس نتیجے کی روشنی میں، ہماری تعلیم کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ پاکستانی قومیت کے مرکزی نقش کو اور روشن کرے۔ یہ نقش دو طرح سے روشن ہو سکتا ہے، ایک تو تحریکِ پاکستان کو پاکستان کے سارے نظامِ تعلیم میں، ہر درجے کے مطابق پھیلا دینے سے۔ دوسرا اس طرح کہ اس ملت کے لوگ اسلام کو اپنی ہستی کے لیے لازم سمجھ کر اس کے اہم عقیدوں اور اس کی اہم غایتوں سے باخبر ہوں اور اس کی خاطر اسلام اور اس کے تہذیبی عطیات کو تعلیم میں ضروری جگہ دیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی اداروں میں ایسی اسلامی فضا پیدا کریں جس میں ہمارے طلبہ علمی طور پر بھی اسلامی غایتوں کے مجسم نمونے بن کر نکلیں۔

تعلیم میں نصابوں کی یکسانی بھی ممد و معاون ہو سکتی ہے خصوصاً انسانیاتی مضامین (Humanitians) میں جن کے نصاب اور ان کے نصب اور ان کے نصب العین و مقاصد ایسے ہوں جو اس ملت کے نظامِ تعلیم کو دوسرے ملکوں کے نظامِ تعلیم سے، اس خاص میدان میں، ممتاز کر سکیں اور ہمارا ہر طالبِ علم یہ محسوس کر سکے کہ میں پاکستان کا باشندہ ہوں۔ امریکہ یا روس اور چین ہندوستان اور یورپ کا نہیں ہوں۔

سائنسی مضامین قدرتی طور پر خودبخود یکساں معلومات کے حامل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں فکرمندی نہیں۔ تاہم پاکستان کے ماحول میں یہ لازمی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سائنسی نصابات، اپنی فضا کے اعتبار سے اپنے مادی احوال کے باوجود روحانی غایتوں سے بھی غافل نہ ہوں۔ چونکہ انسانیاتی مضامین کی تعلیم کا تو مقصد ہی دماغی اور روحانی زندگی کا فروغ ہے اس لیے انسانیاتی مضامین کے نصابوں کی جہتیں ہماری اپنی قومیت کے تقاضوں کے مطابق مقرر ہونی چاہئیں —— تاکہ ان سے ذہنی تشکیل وہ رخ اختیار کرے جو ہماری قومیت کی روحانی اساس سے ہم آہنگ ہو اور ہمارے بچے اپنے اندر ان احساسات شرافت کی پرورش کر سکیں جو ان کی عظیم تہذیب نے ان کو دیے ہیں ——

اس لحاظ سے ان مضامین کے نصاب پر خاص نظر رکھنی ہو گی جو معلومات کے علاوہ جذبات کی تربیت کے لیے بھی پڑھائے جاتے ہیں —— مثلاً ادب اور تاریخ —— فی الحقیقت ان دو مضمونوں کی مدد سے ہم ملک بھر میں جذبے کی یک رنگی اور نقطۂ نظر کی یک رنگی کو فروغ دے سکتے ہیں مگر یہ وحدت کا ذریعہ تبھی بن سکیں گے کہ ان کے اندر پڑھائے جانے والا مواد ملک کے مشترک روحانی ورثے پر زور دیتا ہو اور ان عناصر سے دور لے جاتا ہو جو وحدت کے احساس کو گزند پہنچانے والے ہیں۔ تاریخ و ادب کے علاوہ، معاشرتی علوم، فنونِ لطیفہ اور فلسفے کی انواع میں بھی ان قدروں پر

زور دیا جاتے جن کی ترقی و تحفظ کے لیے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ ان علوم کی کتابیں یکساں ہوں یا نہ ہوں مگر ان کے سلیبس سارے ملک میں یکساں ہونے چاہییں تاکہ سوچنے اور محسوس کرنے کی جہت ایک ہو جائے میں اس یک جہتی پر زور دے کر کسی زیادتی کا مرتکب نہیں ہو رہا ہوں۔ دنیا کی سب اقوام اس پر عمل پیرا ہیں ——— روس، چین اور اسرائیل نظریاتی مملکتیں ہیں۔ ان میں نظریے کی جبری تعلیم ہے، بلکہ تربیت بھی جبری ہے ——— جمہوری ملکوں میں بھی یہی حال ہے۔ ہر ملک کا مخصوص نظریہ زندگی اس ملک کی تعلیم کا جزو لازم ہے۔ ڈیوی نے اپنی کتاب "تعلیم اور جمہوریت" میں لکھا ہے کہ:

"کوئی ملک جمہوری ہو کر جمہوری تصور حیات کو تعلیم سے باہر نہیں رکھ سکتا"

غرض پاکستان میں تعلیمی نصابات کو اس ملک کی روحانی زندگی سے ہم آہنگ رکھنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں دو اہم سوال سامنے آتے ہیں،

۱۔ ایک تعلیم کی زبان کا

۲۔ دوسرا علاقائی ادبوں کا

اور ان دونوں سوالوں کو ٹالا نہیں جا سکتا۔

نفسیات و تجربہ تعلیمی کا مسلم اصول یہ ہے کہ تعلیم قومی زبان میں ہونی چاہیے ——— یہ تعلیم اور آموزش کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور قومی وحدت کے جذبے کو زندہ رکھنے کے لیے بھی۔ جو لوگ اس اہم اصول سے انکار کرتے ہیں وہ سادن کے اندھے ہیں یا غیر مخلص ہیں۔ ہم میں کچھ لوگ جو انگریزی پر اصرار کرتے ہیں وہ سائنسی اور نفسیاتی حقیقتوں سے نابلد ہیں، حاشا انگریزی ہماری قومیت کی زبان نہیں ہو سکتی ——— نہ اس سے ہماری وحدت فروغ پا سکتی ہے ——— اور میری بینے تو یہ انگریزی ہی ہے جس نے اپنی اصطلاحوں سے ہمارے ملّی عقیدے مسخ کر دیے ہیں اور گمراہ کن اور بیگانہ گوناگوں دشمنیوں کے بیج بوئے ہیں ——— لہذا انگریزی کا جسے ہم ایک مضمون کے طور پر تسلیم کرتے ہیں قومی وحدت کے کسی مسئلے میں ذکر تک بھی نہیں آنا چاہیے۔ ایسے موقعے پر جب انگریزی ذریعہ تعلیم کی مخالفت ہو رہی ہوتی ہے بعض حضرات علاقائی زبانوں کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔ لیکن کم از کم میں نے جب بھی تعلیم کے لیے قومی زبان کا ذکر کیا ہے اس میں علاقائی اور مادری زبانوں کو ہمیشہ شامل سمجھ کے کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب انگریزی اپنے ناجائز مسند سے ہٹ جائے گی اور تعلیم کا بھی

قومی منصوبہ بنے گا تو اس میں مادری سے علاقائی اور علاقائی سے قومی زبان کی طرف بڑھنے کا تدریجی پروگرام شامل ہوگا ——— مادری، علاقائی اور قومی زبانوں کی عملی حدیں کیا ہوں گی ——— یہ مل کر طے کرنے کی باتیں ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ پاکستانی قومیت کا استحکام مدنظر ہو اور اس میں صرف علاقائی زبان ہی کو سب کچھ یا بنیادی سمجھ لیا جائے اور قومی زبان یا زبانوں کا کوئی مقام نہ ہو۔ پاکستان اسلام کے تصور اور کسی قومی زبان کے وجود کے بغیر تصور میں آ ہی نہیں سکتا۔

میں ادب کی تعلیم میں علاقائی ادبوں کو بھی شامل سمجھتا ہوں مگر علاقائی ادب کی تعلیم کا مقصد علاقائی احساسات تفاخر کی پرورش نہ ہو بلکہ قومی ورثے کے ایک جز کے طور پر ہونا چاہیئے۔ اس کے لیے میری تجویز یہ ہے کہ علاقائی ادبوں کے مضامین میں اردو، عربی، اور فارسی اور قومی زبانوں کے نصابوں میں عربی فارسی اور علاقائی ادباء کے شاہکاروں کی نمائندگی ہونی چاہیے اور یہ سب نصاب یکساں اور مشترک ہونے چاہیئں ——— اور اس کا مقصد علاقائیت کا فروغ نہ ہو، بلکہ قومی وحدت، وسیع تر اسلامی تہذیب کا اثبات اور پاکستان کی مشترکہ قومیت کا استحکام ختم کرنے سے پہلے بطور تلخیص عرض ہے کہ پاکستان میں اب تک تعلیم سے صحیح معنوں میں ارتباط کا کام نہیں لیا گیا ——— حالانکہ تعلیم ارتباط قومی کا مؤثر ترین وسیلہ ہے ——— یہ کام اس لیے نہیں ہوا کہ ہمارے یہاں قومی ذہن رکھنے والی کوئی حکومت ابھی تک قائم نہیں ہوئی۔ جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ قومی غایتوں سے زیادہ سیاسی اور علاقائی اغراض کی تکمیل میں منہمک رہیں۔ اب آئندہ احتیاط کے طور پر قومی یکجہتی میں اعتقاد رکھنے والی حکومت کا وجود ضروری ہے تاکہ وہ تعلیم سے یک جہتی کا کام لینے میں مخلص ہو۔

——— اس کے بعد استادوں کی باری آتی ہے ———، بدقسمتی سے اس وقت تک استادوں کے گروہ کو یک جہتی وارتباط کے لیے کام کرنے کا موقع نہیں ملا ——— اس میں کچھ تو بیوروکریسی حارج ہوئی مگر کچھ ہمارے استادوں کی غیر ملکی تعلیم مانع آئی ——— وہ پاکستان کو امریکہ یا روس اور چین بنانے میں لگے رہے حالانکہ پاکستان کو پاکستان ہی بنانا چاہیے۔

اور آخر میں نصابوں کا مسئلہ کہ جن کی یکسانی اور جن کی روحانی اساس پر میں گزشتہ سطور میں خاصا زور دے چکا ہوں ——— اس لیے اس پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔